اسلام اور مسئلہ قومیت، بعض پہلوؤں سے جائزہ

Islam and Nationalism: Analysis of Key aspects

سید احمد یوسف بنوری*

ڈاکٹر زاھد علی زاھدی

ABSTRACT:

Islam is a global religion of nations that expresses its universal message to all human kind. It condemns the division of mankind on the basis of race and colour. It is a religion with total guidance on the premises of human nature. It is not against mutual recognition of people having a common past, cultural or religious heritage therefore when we study nationalism in the light of Islam, we arrive at a conclusion that Islam, however, is opposed to all the attitudes that lead to pride, oppression of rights and jingoism on the basis of nationalism. But the concept of feeling oneness, unity and common ground which abide by the rules of ethics and involves affection towards a nation or country are not forbidden rather commendable in Islam.

Key words: Islam, human nature, nationalism, unity, oneness.

اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے، اس کے افق ورائے فلک، کوئی رشتہء وپیوند اس کی علاقہ بندی نہیں کر سکتا، زمان ومکان کی کوئی زناری اسے دامن گیر نہیں، وہ ہر عہد کیلئے آں سوئے افلاک کا فرمان ہے، یہ وہ بحر بے کنار ہے جہاں ملتیں مٹ جائیں تو اجزاءِ ایماں ہو جاتی ہیں، روم کا صہیب، حبشہ کا بلال اور فارس کے سلمان ایک بنیانِ مرصوص کی خشتیں ہیں، عربی کو عجمی اور عجمی کی عربی پر فضیلت کی ہر بنیاد چودہ سو سال قبل ہی ایک امی نے اپنے قدموں تلے روند ڈالیں، ایک میزانِ تقویٰ ہے جہاں ہر کہ ومہ اپنا حساب پاتا ہے اور آدم کے بیٹے اپنا شرف طے کرتے ہیں، نسل ورنگ کے امتیازات یہاں شرک فی الخلق کہلاتے ہیں، اس کے گلستان میں گل ہائے رنگارنگ زینتِ چمن کا باعث تو ہوتے ہیں، مگر ان کے الوان کی بنا پر باغباں ان میں تفریق نہیں کیا کرتا، یہاں موجیں لہروں سے مل کر کنارہ تلاش کرتی ہیں نہ کہ ان کی باہمی آویزش سے ایسا تلاطم جنم لیتا ہے جو سنگھاسنِ حیات کو ہی ڈبو دیتا ہے، غرض توحیدِ حقیقی کی امانت کا حامل یہ مذہب اپنے پیروؤں میں جہاں بانی کا ایسا نظریہ پیدا کرتا ہے جو رنگ ونسل کی محدودیتوں کا پابند نہیں رہتا، بلکہ اس کا نعرہ پیکار تو اس سے کم پر بس ہی نہیں کرتا۔

ہر ملک ملکِ ما است   کہ ملکِ خدائے ما است[1]

لیکن ان تمام مسلمات کے باوجود اسلام کے بارے میں یہ آدھا سچ، ادھوری حقیقت اور ناتمام بیانیہ ہو گا، کیوں کہ اس دین کی بنیاد فطرت کے مسلمات پر رکھی گئی ہے[3,2]، وہ انسانی احساسات کے زاویے بہتر تو بناتا ہے مگر انہیں مسخ نہیں کرتا، بلکہ وہ خود اپنے اوامر ونواہی میں ان کی درست ترجمانی کرتا ہے، قوموں اور قبیلوں کو باہمی سببِ تعارف ماننے سے اس کو انکار نہیں، وہ "مہاجرین" و "انصار" کی تاریخی تقسیم

*Ph.D Scholar, Karachi University, Karachi.
Email: saybanuri@gmail.com
Associate Professor, Karachi University, Karachi.

سے صرفِ نظر نہیں کرتا، بلکہ ان کی تحسین اس انداز سے کرتا ہے کہ بجائے خود یہ دو مختلف فضیلتیں قرار پاتی ہیں،[4] خانوادہ نبوی سے ہونا اس کے ہاں جرم نہیں جس پر وقت کے یزید اقرباپروری کی پھبتی کسیں، بلکہ صلِ علیٰ پڑھتی امت کے لیے اس کے نبی کے اہلِ بیت تمسک بالحق کا ذریعہ بنتے ہیں،[5] اولادِ آدم میں سے "آلِ ابراہیم" و "آلِ عمران" کے خصوصی انتخاب کا اعلان کلامِ الٰہی کی آیات کرتی ہیں[6]، خلافت بعد از نبوت کے لیے اس کے ہاں "الأئمة من قريش" کے اشارے پائے جاتے ہیں اور دلیل بھی ایسی بتائی جاتی ہے کہ جو انسان شناسی کی معراج نظر آتی ہے کہ "الناس تبع لقريش في هذا الشأن، مسلمهم تبع لمسلمهم، وكافرهم تبع لكافرهم".[7]

موضوع کی اہمیت:

زیرِ نظر مقالہ "مسئلہ قومیت کا بعض اسلامی حوالوں سے جائزہ" میں یہی موضوع زیرِ بحث ہے کہ قومیت کی اسلام کی نگاہ میں کیا حیثیت ہے؟ اور ہر وہ قومیت جس کی اساس مذہب سے ماوراء ہو، اس کی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حیثیت کیا ہے؟

یہ بحث بعض حوالوں سے ناگزیر ہے، اس لیے کہ تاریخ اس کے کافی ثبوت بہم پہنچاتی ہے کہ جب کبھی قومیت کے مسئلے کو قرار واقعی اہمیت نہیں دی گئی، نتیجہ بدترین انتہاؤں میں صورت پذیر ہوا، اسلام کی ہمہ گیر تعلیمات اور اتحادِ امت کی غیر معمولی تلقین کے باوجود مسلمانوں میں ڈیڑھ صدی کے اندر ہی ردعمل کے طور پر شعوبیت کی تحریک شدت کے ساتھ ظاہر ہوئی، جو افضلیتِ عرب سے انکاری اور اینٹی عرب تحریک تھی، اور لسانی و نسلی بنیاد پر فخر اور فضیلت کی بجائے مساواتِ انسانی کی حامی تھی، اسی وجہ سے اسکے علم بردار اسے "تحریک التسویہ" (مساوات کی علم بردار تحریک) کا نام دیتے تھے[8] اور قرآن کی ایک آیت سے استدلال کرتے تھے: "اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور ہم نے تمہیں قوموں اور قبائل کی صورت میں بنایا؛ تاکہ تمہاری پہچان ہو سکے"[9] لیکن چوں کہ یہ تحریک ایک ردعمل تھی، لہٰذا خود اپنے دعوی پر قائم نہ رہ سکی اور بقول علی شریعتی عرب کی تحقیر اور افضلیتِ عجم کی طرف مائل ہوگئی[10] اس تحریک کی عرب نفرت کا اندازا اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ لغتِ عرب کی مستند کتب قاموس المحیط[11]، زمخشری کی اساس البلاغہ[12] وغیرہ شعوبیت کا معنی ہی یہ لکھتی ہیں کہ وہ تحریک جو تحقیرِ عرب اور عجم برتری کی حامی تھی۔

شعوبیت کی تحریک:

شعوبیت کی تحریک فارس، خراسان سے اٹھی اور افریقہ، اندلس اور دیگر علاقوں تک پھیل گئی۔ خراسان میں اسلامی تاریخ کا مشہور سپہ سالار جو اس تحریک کا حامی تھا ابو مسلم خراسانی گزرا ہے۔ اس تحریک نے زبان وادب کے ذریعہ بھی اپنے پروپیگنڈے کو پروان چڑھایا، فردوسی کا شاہنامہ اس نظریے کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔

شعوبیت اموی دور میں ظاہر ہوئی، اور عباسی دور میں اپنے عروج پہ جا پہنچی، جہاں بڑے بڑے عرب امراء کی عجمی غلاموں کے آگے کچھ حیثیت باقی نہ رہی تھی۔ مامون نے اپنے بھائی امین کے مقابلے میں جو فوج تیار کی وہ تقریباً عجم کی تھی۔ عباسیوں نے عجمی لونڈیوں سے نکاح کیے، اس طرح حکومتی معاملات میں عجمیوں کا اثر ورسوخ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ عرب اور ان کے کارنامے منظر سے بالکل غائب ہوگئے۔ سیاست وجنگ کے معاملات ہوں یا علم وتحقیق کے، ہر جگہ عجم کا سکہ رائج ہو گیا[13]۔ پھر گزشتہ صدی میں بھی خصوصاً اس عنوان کے تحت مختلف

انتہائیں سامنے آئی ہی ہیں، کہیں اسی قومیت کی سان پر چڑھا کر "العروبہ" کی ایسی مے پلائی گئی کہ خلافت کی قبا ہی ترکِ نادان کے ہاتھوں چاک ہوگئی، مگر دوسری جانب ایسے ناعاقبت اندیش بھی پائے جاتے ہیں جن کے نزدیک ملکی سرحدوں کا وجود حرام اور وطن کی محبت ہی ازروئے شرع گم راہی ٹھہری۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ ذاتی طور پر اور شناختی حوالے سے بھی نمایاں مقام کے حصول کی تگ ودو کرتا ہے۔ اور بہر حال اپنی اس خواہش کی تسکین کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔"العروبہ" یا "عرب ازم"اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

العروبہ:

عرب قوم کا اگر تاریخی تناظر میں مطالعہ کیا جائے تو صاف طور پر نظر آتا ہے کہ تقریباً پون یا ایک صدی تک دنیا کے ایک بڑے حصے پر پوری آب وتاب کے ساتھ حکومت کرنے والی قوم جو ایک شاندار روشن تاریخ کی حامل ہے، کچھ ہی عرصے میں پس منظر میں غائب ہو گئی، حتی کہ بحیثیتِ قوم عربوں کا کوئی تذکرہ تاریخ میں اس دور کے بعد نظر نہیں آتا۔ جنگ وسیاست ہو یا علم وتحقیق کا باب یا اور کوئی میدان، اِکا دُکا انفرادی کارناموں کے سوا عربوں کا تذکرہ ملنا مشکل ہے۔ اس ہزار سالہ تاریخی انقطاع کے بعد گزشتہ صدی سے عربوں میں قومی شناخت کے حوالے سے ہلچل پیدا ہوئی، جو کہ پان عرب ازم، pan- Arabism کے نام سے یاد کی جاتی ہے، جو در حقیقت عربی لفظ"العروبہ" کا ترجمہ ہے۔"العروبہ" عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی "المعجم الوسیط" کے مطابق عربیت کے خصائص وامتیازات ہے، یہ لفظ اسی پہلو سے نظریہ عربیت کیلئے مستعار ہے[14]۔ دراصل یہ چند مخصوص افراد پر مشتمل کوئی تحریک نہیں تھی، بلکہ یہ عربوں میں اٹھنے والی ایک نظریاتی اور فکری تحریک تھی، جس کے ذریعے عربوں نے قومی سطح پر اپنی کھوئی ہوئی شناخت دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس نظریے کی ہر سطح پر اشاعت کی گئی، اور عرب قومیت کا تصور پروان چڑھایا گیا۔ وسیع تر تناظر میں اس کو"الشعوبیۃ"نامی عجم برتری کی علم بردار تحریک کا ردِ عمل کہا جاسکتا ہے، کیوں کہ عربوں کو یہ احساس ہوچکا تھا کہ ان کی قومی حیثیت مکمل طور پر مٹ چکی ہے، اور خلافتِ عثمانیہ کے ماتحت رہنا ان کی عربیت کو ٹھیس پہنچاتا ہے، اس لیے غیر عرب بالادستی کو عرب قبول نہیں کرسکتے[15]۔

چنانچہ خلافتِ عثمانیہ جب آخری سانسیں لے رہی تھی تب شریفِ مکہ نے بغاوت کردی، اِدھر خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہوا۔ یہاں شریفِ مکہ کی خواہش تھی کہ تمام عرب خطوں کی ایک متحدہ حکومت ہو، لیکن بوجوہ ایسا نہ ہوسکا، تاہم عرب اقوام سلطنتِ عثمانیہ سے آزاد ہوگئیں۔ اس تحریک کی بنیادی فکر شمالی افریقہ، مغربی ایشیاء اور بحر اوقیانوس سے لیکر بحر عرب کے تمام عرب ممالک کو دیگر تمام تقسیمات سے بالاتر ہوکر لسانی بنیاد پر عربیت کے پلیٹ فارم پر جمع کرنا اور دنیائے عرب کو مغربی اثرورسوخ سے آزادی دلانا اور سلطنت عثمانیہ کے خلاف ایک اکائی کا تصور پیش کرنا تھا[16]۔ یہ تحریک انیسویں صدی کے اواخر میں دنیائے سیاست کے منظر نامے پر ظاہر ہوئی، اور بیسویں صدی کی ابتدا سے درمیان تک خوب پروان چڑھی[17]، اس تحریک کی آبیاری کرنے میں دنیائے عرب کی بڑی بڑی شخصیات مثلاً عبدالرحمان کواکبی، میشال عفلق، اور مصر کے سابق صدر جمال عبد الناصر وغیرہ کا نام شامل ہے[18]۔ یہ تحریک دنیائے سیاست پر کئی عشرے چھائے رہنے کے بعد روبزوال ہونا شروع ہوگئی، اس تحریک کے زوال پذیر ہونے میں عرب دنیا کی اسرائیل سے شکست اور کرتا دھرتا ممالک کی معاشی زبوں حالی تھی[19]۔ بہر حال اسلام کے بارے میں یہ گمان کرنا اس کے ساتھ نادان کی دوستی ہوگی کہ وہ متنوع اقوام وملل کے قیام اور ان کے باہمی امتیازات کی طبعی

، فطری اور تاریخی وجوہ سے بے بہرہ ہے، اس بنا پر اہلِ علم کیلئے یہ موضوع دادِ تحقیق دینے کیلئے کھلی جولان گاہ ہے کہ وہ مسئلہ قومیت کا جائزہ لے کر اسلام کی روشنی میں اس کے منصفانہ حدود طے کریں، اور اس کے صالح و غیر صالح اجزا میں تفریق کر کے درست لائحہ عمل ترتیب دیں۔

نیشنل ازم کا پس منظر:

اپنے رنگ و نسل اور خاندان کی محبت انسان کا فطری خاصہ ہے، اسے ابن خلدون نے عصبیہ سے تعبیر کیا ہے،[20] اس جذبہ کی شدت بسا اوقات اسے آمادہ قتال بھی کر دیتی ہے، اس معنی میں اس کی تاریخ بہت پرانی ہے، کم از کم زرعی عہد سے اس کے آثار وضاحت سے نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے، مگر یہ اس کی بڑی سادہ اور ابتدائی صورت ہے، بطور ایک سیاسی فلسفہ اس (قومیت) کے ظہور پر کم و بیش اتفاق ہے کہ یہ اٹھارہویں صدی میں انقلابِ فرانس کے بعد ہوا، اس دور میں اس کی بنیادی علامات جیسے ہر ملک کا مخصوص جھنڈا، قومی ترانہ اور اپنی قومی تاریخ کی تدوین وغیرہ بھی رائج ہونا شروع ہوئیں[21]۔ پہلی مرتبہ جرمنی کے فلسفی اور ماہرِ الہیات جوہن گوٹیفرڈ ہرڈر نے اسے انیسوی صدی کے آغاز میں بطورِ اصطلاح رائج کیا، اس کا یہ قول اس عہد کے لیے صورِ اسرافیل ثابت ہوا کہ " خاص تناظر میں انسانوں کی معراج ان کی قومیت ہے "[22]۔ اٹھارہ سو اکیس 1821 میں یونان کی جنگِ آزادی سے جنگِ عظیم دوم تک اس کے عروج کا دور رہا، صنعتی انقلاب اور تحریکِ اصلاح کے نتیجہ میں ایک روحانی خلا نے جنم لیا جس کو بعض ماہرِ عمرانیات کے مطابق اسی نیشنل ازم نے پورا کیا۔[23]

عالمِ اسلام میں اس فلسفہ کے مثبت اور منفی ہر دو طرح کے اثرات ہوئے، ایک طرف عربوں میں نیشنل ازم کے زیر اثر خلافتِ عثمانیہ سے بغاوت کی تحریک پیدا ہوئی جس کے نتیجہ میں ترکی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا (جیسا کہ اوپر مذکور ہوا)، خود ترکی میں کمال پاشا اتاترک نے نیشنل ازم کو بنیاد بناتے ہوئے نہ صرف خلافت کا اِلغا کیا بلکہ ترکی کو سیکولر ریاست بنا دیا۔ مگر ان منفی پہلوں کے باوصف خاص طور پر ہندوستان میں اس نیشنل ازم نے ایک بڑا دلچسپ اور تاریخی روپ لیا، یہاں نیشنل ازم کے مغربی معیارات پر مسلم قومیت کا اِحیا کیا گیا، یعنی ثابت کیا گیا کہ جن معیارات پر کسی گروہ کو ایک الگ قومیت کا درجہ ملتا ہے وہ تمام پہلو مسلمانانِ ہند میں با تمام پائے جاتے ہیں؛ لہذا یہ ہندوؤں سے الگ ایک قومیت رکھتے ہیں، اسی کے نتیجہ میں ہندوستان کی تقسیم عمل میں لائی گئی، اگرچہ جمال الدین افغانی کو "پان اسلام ازم" کے بانی مفکر ہونے کا اعزاز حاصل ہے،[24] مگر اس میں دورائے نہیں کہ علامہ اقبال نے جس کامیابی سے اس کی وکالت کی اور بعد ازاں قائد اعظم محمد علی جناح نے اس کی عملی تشکیل کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اس سے مسلم قومیت کا سہرا انہی کے سر جاتا ہے۔

نیشنل ازم کی اصطلاحی تعریف:

"Nationalism is a political ideology which holds that the state is of primary importance, or adopts the belief that one state is naturally superior to all other States. It is defined as a sentiment or feeling or consciousness of a people for a specific territory; is referred to as the policy of a national independence and may describe a nation as a society united under one government known as a state; or as a considerable group with a common descent or history; a sentiment based on common culture characteristics that bind a population together and often produces a policy of national independence or separatism".[25]

ترجمہ:　نیشنل ازم ایک سیاسی نظریہ ہے جس کے تحت ریاست سب سے اہم اور بنیادی حیثیت کی حامل ہوتی ہے، یا اس اعتقاد کا

نام ہے کہ ایک ریاست دوسری تمام ریاستوں پر فطری فوقیت رکھتی ہے۔اس کی وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ یہ لوگوں کے کسی مخصوص علاقہ کے بارے میں جذبہ احساس یا شعور کا نام ہے۔ کبھی اس کا حوالہ قومی آزادی کی حکمتِ عملی کے طور پر دیا جاتا ہے۔اور کبھی اس کی تعیین یوں کی جاتی ہے کہ ایک قوم بطورِ معاشرہ جب کسی ایک حکومت کے تحت جمع ہو جسے ریاست سے تعبیر کیا جاسکے یا قابلِ لحاظ تعداد کا حامل گروہ یک ساں نسلی سلسلہ یا مشترکہ تاریخ رکھتا ہو۔یا ایک احساسِ فکر جو مشترکہ ثقافتی خصوصیات کی بنیاد پر جنم لیے، تاکہ لوگ اسی کے تحت یکجا رہیں اور بسا اوقات یہی احساسِ فکر قومی آزادی یا قومی علیحدگی کا باعث ہوتا ہے۔

بنیادی اجزائے ترکیبی:

مذکورہ بالا طویل الذیل تعریف و تعیین سے اس کے کئی اجزاء کا سراغ ملتا ہے، مثلاً ایک مخصوص علاقہ کا ہونا، مشترکہ نسلی سلسلہ، یکساں احساسِ فکر یا جذبہ محرکہ اور ایک متفقہ حکومت۔ مگر ان کے علاوہ ماہرینِ عمرانیات کی رائے میں ثقافتی اور تاریخی اشتراک عموماً اور زبان کی یک سانیت مخصوص صورتوں میں قومیت کے قیام کا سبب ہوا کرتی ہے۔[26]

قومیت کی مختلف جہات:

نیشنل ازم یا قومیت کا تصور علمی اور عملی لحاظ سے کئی جہات کا حامل ہے، جو اگرچہ باہم دیگر اختلاط پذیر بھی نظر آتے ہیں، لیکن اصولی لحاظ سے ان کی تفریق تفہیمِ مسئلہ کے لیے ضروری ہے، اس کے نتیجہ میں ساری بحث کا نقشہ تکمیل پاتا ہے، بلکہ ایک نوعیت کا تصویری پیکر بھی متشکل ہوتا ہے، جس سے اس کی ابتدا اور انتہا کا سرِ رشتہ ہاتھ آتا ہے، اور مختلف اعتبارات سے اسلامی نقطۂ نظر بھی جداگانہ طور پر واضح ہوتا ہے۔ قومیت کی تین جہات بہت نمایاں ہیں، جن کی بہترین تشریح درج ذیل عربی تعبیرات کرتی ہیں: العصبیة، القومیة، الوطنیة.

العصبیة:

اس سے مراد وہ نسلی یا قبائلی یا گروہی تعلق ہے، جس کے نتیجہ میں معاشرہ کی ابتدائی شکل استوار ہوتی ہے، اگر یہ تعلق (عصبیت) مظبوط نہ ہو تو معاشرہ اپنی اساس ہی کھو بیٹھے گا، جس کے بعد مشترکہ نظمِ اجتماعی کی طرف پیش قدمی بھی ممکن نہیں ہوسکے گی، ابن خلدون کہتے ہیں: "إن الرئاسة على أهل العصبية لاتكون في غيرنسبهم، وذلك أن الرئاسة لاتكون إلا بالغلب، والغلب إنمايكون بالعصبيةكما قدمناه، فلابد في الرئاسة على القوم أن تكون من عصبية غالبة لعصبياتهم".[27]

ترجمہ: ریاست کا قیام اہلِ عصبیت کے بغیر ممکن نہیں، اور یہ عصبیت یک ساں نسب کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے کہ ریاست غلبہ کے علاوہ قائم نہیں ہو سکتی اور غلبہ کا سبب عصبیت ہے، یوں ضروری ہے کہ ریاست اسی قوم پر مشتمل ہو جو ان کی عصبیتوں میں سے غالب عصبیت رکھتی ہو۔

انسانوں کی اجتماعی زندگی میں باہم دگر شناخت کیلئے ہمیشہ سے بہت سے طریقے رائج رہے ہیں، جن کی بنیاد پر انسان خود کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتا ہے۔ چناں چہ خاندان اور قبائل شناخت کیلئے قابلِ قبول ادارے تصور کیے جاتے رہے ہیں، اور دنیا میں اب بھی بعض علاقوں میں قبائلی تقسیم موجود ہے۔ تاہم یہ واضح ہے کہ خاندان کے ادارے کے علاوہ باقی تمام شناخت کے ادارے حتمی نوعیت کے نہیں ہوتے

قومیت کی یہ جہت نہایت فطری ہے۔ اس سے مفر نہیں، انسان خاندان ہی میں پیدا ہوتا، پرورش حاصل کرتا اور زندگی کے سفر کا آغاز کرتا ہے، اس کے ابتدائی تعارف کا باعث بھی یہ خاندان اور قبیلہ ہوتا ہے، قرآن کریم بڑی وضاحت سے اسے باعثِ شناخت قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی وجعلنا کم شعوباً وقبائل لتعارفوا اِنَّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم[28]

ترجمہ: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے، تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔[29]

اگر اس بنیاد پر کوئی شخص کارِ خیر میں اپنے خاندان کا ساتھ یا ترجیح کا سلوک کرتا ہے تو یہ بات قابلِ ستائش ہے، آں حضرت ﷺ کا فرمان ہے: خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، فقال: خیرکم المدافع عن عشیرتہ ، مالم یأثم۔[30]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بہترین دفاع کرنے والا ہے وہ جو اپنے خاندان کا دفاع کرے، بشرطیکہ اس معاملہ میں وہ کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔

لیکن اگر ایک شخص حدود و قیود سے ماوراہو کر اس عصبیت کو معاشرتی انتشار کا سبب بنادے تو پھر یہ قابلِ مذمت امر ہے، اس کے بارے میں آں حضرت ﷺ کا فرمان ہے:

لیس منا من دعا إلی عصبیۃ[31]۔ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف پکارے۔

اس عصبیت سے کیا مراد ہے؟ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شرح فرمادی ہے:

قیل: یارسول اللہ، ما العصبیۃ؟ قال: أن تعین قومك علی الظلم۔[32]

ترجمہ: آپ سے پوچھا گیا کہ عصبیت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنی قوم کی ظلم مدد کرو۔

القومیۃ:

اس سے مراد وہ خاص سیاسی فلسفہ ہے، جس کی تفصیل ہم ماسبق میں ذکر کر چکے ہیں، چوں کہ یہ عہدِ جدید میں پیدا ہونے والی بحث ہے؛ اس لیے اس میں بالکلیہ حکم لگانا علمی تقاضوں کے مطابق نہیں ہوگا، بلکہ قرینِ انصاف رائے یہی ہے کہ یہ صالح اور غیر صالح اجزاء کا نمونہ ہے، اس کے بعض پہلو شرعی نقطۂ نگاہ سے قابلِ اشکال ہیں۔

1: قومیت پر مبنی ریاستیں اصولاً سیکولر نظامِ حکومت کو اختیار کرتی ہیں، تا کہ مذہبی بنیادوں پہ تفریق نہ ہو سکے جس کی تعبیر عرب ممالک میں نیشنلسٹوں کی جانب سے یوں کی گئی "الدین للہ والملك للجمیع" یعنی دین تو اللہ تعالیٰ کا ہے، جس سے سب کی انفرادی وابستگی قائم ہے، مگر ملک تو تمام شہریوں کی یکساں ملکیت ہے[33]۔ یہ امر تسلیم شدہ علمی حقیقت ہے کہ مسلمان از روئے اسلام سیکولر نظامِ حکومت کی تائید نہیں کر سکتے، یوں مسلمانوں کی اکثریت کے حامل ممالک میں نیشنل ازم کے اس تصور کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا حل بعض معاصر دانشوروں کی جانب سے یہ پیش کیا گیا ہے کہ ریاست اور حکومت میں تفریق کرتے ہوئے، ریاست کو مذہبی وابستگیوں سے بالاتر قرار دیا جائے اور حکومت کو دینی اعتبار سے قانون سازی کا اختیار دیا جائے، اس تجویز کو جمہور کی جانب سے قبول نہیں کیا گیا، کیونکہ اس کو سیکولر ازم کا مترادف باور کیا جاتا ہے۔

2:　　نیشنلسٹ ریاستیں اپنی تاریخی روایت کے تمام پہلوؤں کو وجہِ افتخار جانتی ہیں، چاہے ان کا رشتہ کسی مشرکانہ تمدن سے ہو، جیسے مصر میں نیشنلسٹ فرعونوں سے بھی اپنے تعلق کو فخریہ بیان کرتے ہیں۔[34]

یقیناً یہ پہلو بھی اسلامی نقطۂ نظر سے درست نہیں ہے، اسلام ان تمام تاریخی عناصر سے براءت کا حامی ہے جنہوں نے اپنے اَدوار میں دینی مخالفت کو اپنا وطیرہ ٹھہرایا، وہ تو نوح کا اپنے جگر گوشہ اور ابراہیم کا اپنے والد سے رشتہ وپیوند منقطع ہوجانے کا منادی ہے، اس میں اس امر کی کوئی گنجائش نہیں کہ قومیں صرف اپنے تعصب کی بنا پر ماضی کی فروگزاشتوں کو بھی اپنا لاینفک جزء قرار دینے پر مصر رہیں۔ اسکے علاوہ بعض پہلو اسکے ایسے ہیں جن کے مستحسن ہونے میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، مثلاً نیشنلسٹ ریاستیں باہمی اتفاق کی زیادہ بہتر ضامن ہوتی ہیں۔ یکساں ثقافتی ورثہ کی وجہ سے انہیں مشترکہ جدوجہد پر آمادہ کرنا سہل الحصول ہوتا ہے، یہ چیزیں اسلامی اعتبارات سے لائقِ تحسین شمار کی جانی چاہییں۔

الوطنية:

اس سے مراد اپنے مسکونہ ملک کی محبت ہے، جو بلا شبہ انسانی جذبات کا حسن وجمال ہے، جس کی افزائش بھی اسلام میں مطلوب کہی جاسکتی ہے۔ وقتِ ہجرت آں حضرت ﷺ کی جو کیفیات و تاثرات مکہ مکرمہ کے بارے میں تھیں (جو آپ کا مولدِ مسعود تھا) وہ سیرت کی کتابوں میں درج ہیں، جن سے ان اقدار کی پیغمبرِ اسلام کے قلب میں اہمیت جانی جاسکتی ہے۔ مگر دیگر احساسات کی طرح ان کے سوءِ استعمال سے متنبہ رہنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ کوئی ہٹلر یا میسلونی ان کو اپنے مطلب براری کیلئے استعمال کر کے ملک وملت کیلئے ناقبلِ تلافی نقصان کا سبب ہوسکتا ہے۔

وطنیت سے محبت کے مشروع ہونے کے دلائل:

عن عبد الله بن عدي قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم واقفًا على راحلته فقال: "إنكِ لخيرُ أرض الله، وأحب أرض الله إلى الله، ولولا أني أُخرِجت منك ما خرجت.[35]

ترجمہ:　　حضور ﷺ نے مکہ کو مخاطب کرکے فرمایا: تم اللہ کی زمین میں سب سے اچھی جگہ ہو اور اللہ کے نزدیک اللہ کی زمین میں سب سے محبوب جگہ ہو۔ اور اگر مجھے اس سے میری قوم نہ نکالتی تو میں اس سے نہ جاتا۔

أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا قدم من سفر فأبصر درجات المدينة أوضع ناقته أي أسرع بها۔[36]

ترجمہ:　　امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت نقل کی ہے کہ آپ علیہ السلام جب سفر سے واپسی پر مدینہ تشریف لاتے تو مدینہ کے راستے یا مکانات نظر آتے ہی آپ علیہ السلام اپنی سواری کو مدینہ کی محبت میں تیز کردیتے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مدینہ کی فضیلت کے ساتھ ساتھ وطنیت سے محبت کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

فيه دلالة على فضل المدينة، وعلى مشروعية حب الوطن والحنين إليه۔[37]

امام ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا اپنی سواری کو تیز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آپ کا وطن ہے اور اس میں آپ کے اہل وعیال رہتے تھے جو آپ کو لوگوں میں سب سے محبوب تھے تو انسان کا اپنے وطن لوٹ آنے پر خوش ہونا یہ ایک فطرتی عمل ہے۔

فيها أهله و ولده الذين هم أحب الناس إليه، وقد جب الله النفوس على حب الأوطان والحنين إليها، وفعل ذلك عليه السلام، وفيه أكرم الأسوة، وأمر أمته بسرعة الرجوع إلى أهلهم عند انقضاء أسفارهم۔[38]

ما أطيبَكِ مِن بلدةٍ وأحَبَّكِ إليَّ، ولولا أنَّ قومي أخرَجوني منكِ ما سكَنتُ غيرَكِ.[39]

ہجرت کے موقعے پر مکہ کو مخاطب کر کے آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے مکہ! تو کتنا پاکیزہ اور میرا محبوب شہر ہے، اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی میں کہیں اور نہ رہتا۔

جب ورقہ بن نوفل نے حضور ﷺ کو بتایا کہ آپ کی قوم آپ کی تکذیب کرے گی تو آپ ﷺ نے خاموشی فرمائی۔ ثانیاً جب اس نے بتایا کہ آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو تکلیف و اذیت میں مبتلا کرے گی، تب بھی آپ ﷺ نے کچھ نہ کہا۔ تیسری بات جب اس نے عرض کی کہ آپ ﷺ کو اپنے وطن سے نکال دیا جائے گا تو آپ ﷺ نے فوراً فرمایا: أَوَ مُخْرِجِيَّ هم؟[40]۔ کیا وہ مجھے میرے وطن سے نکال دیں گے؟ امام سہیلی لکھتے ہیں کہ اس سے آپ ﷺ کی وطن سے شدتِ محبت کا ثبوت ملتا ہے اور اس سے فراقت کا دل پر شاق گزرنا معلوم ہوتا ہے۔[41]

إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُولُ لِلْمَرِيضِ: بِسْمِ اللهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا، بِرِيقَةِ بَعْضِنَا يُشْفَى سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا.[42]

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ مریض سے فرمایا کرتے تھے: اللہ کے نام سے شروع، ہماری زمین (وطن) کی مٹی ہم میں سے بعض کے لعاب سے ہمارے بیمار کو، ہمارے رب کے حکم سے شفا دیتی ہے۔

نظریہ امت(The concept of ummah)

اسلام کے ابتدائی دور ہی سے مسلمانوں میں امتummah کے نظریے کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور حضور ﷺ کی رحلت کے کچھ ہی عرصے بعد وہ وقت بھی آگیا جب پوری مسلم امت کی سیاسی نمائندگی صرف ایک ہی ریاست کی جانب سے کی گئی اور یہ نظام ایک صدی سے زائد اسی طرح برقرار رہا، اور خاص بات یہ کہ پوری امت ایک ہی سیاسی نظم کے تحت چلتی رہی، لیکن اس سب کے باوجود امت اس دور میں بھی اسلامی ریاست کے نظریے کے ساتھ مکمل طور پر متحد نہیں تھی حتی کہ پہلی صدی کی ابتدائی دھائیوں میں ہی ایسی مسلم کمیونٹیاں وجود میں آگئی تھیں جو اسلام کی سیاسی سرحدوں سے خارج میں وجود پذیر تھیں۔

خلیفہ ثانی کے دورِ خلافت میں ہندوستان، چین اور مشرقِ بعید سمیت دیگر ممالک میں بھی مسلم برادریوں نے جنم لیا اور بات رہی اخلاقیت اور روحانیت کی تو اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ یہ برادریاں اخلاقی اور روحانی اعتبار سے مسلم امت میں داخل تھیں، لیکن اس کے باوجود سیاسی اور جغرافیائی اعتبار سے وہ اسلامی سرحدوں سے خارج تھیں۔ سماجی، تہذیبی، مذہبی اور نظریاتی اعتبار سے امت کا جزء ہونے کی وجہ سے قرآن کے احکامات کی روشنی میں، ایک حد تک ان کی فلاح و بہبود اور ان کے تحفظ کی ذمہ داری بھی مسلم ریاست پر عائد تھی۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ دوسری صدی کے نصف میں مسلم ریاست دو انتظامیہ کے تحت تقسیم ہوگئی، مشرقِ وسطیٰ میں عباسیوں کی خلافت اور مغرب میں بنو امیہ کی خلافت، لیکن اس تقسیم کے باوجود بھی امت کے نظریے کو کسی خوف ناک چیلنج کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور ساتھ ساتھ ان دو انتظامیوں کے زیرِ تحت مسلمانوں کے سیاسی حدود، شہریت، حقوق اور اختیارات کے متعلق سوالات نے روحانی اور ثقافتی طور پر ان کے اتحاد اور

یک جہتی میں کسی خاص قسم کا فرق نہیں آنے دیا، بلکہ اس کے باوجود بھی امت کا نظریہ اصولی طور پر اپنی اصل ساخت پر قائم اور زندہ رہا۔ اس کے قیام میں بنیادی وجہ دینِ اسلام کی وہ تعلیمات تھیں جن کے مطابق دنیا میں بسنے والے تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی اور ایک جسم کی مانند ہیں۔مثل المؤمنين في توادّهم وتراحُمِهم وتعاطفهم، مثل الجسد، إذا اشتكى منه عضو، تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمّى[43]

ترجمہ: مؤمنوں کی مثال ایک دوسرے سے رحم کرنے، ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنے میں ایک جسم کی مانند ہے، جب ان میں سے کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو پورا جسم اس کے لیے درد اور بخار کے ساتھ رات جگائی کرتا ہے۔

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً.[44]

ترجمہ: ایک مؤمن دوسرے مؤمن کیلئے عمارت کی مانند ہے کہ جس کا بعض بعض سے تقویت حاصل کرتا ہے۔

اسلامی جماعت سے کنارہ کشی کرنے والوں کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: من فارق الجماعة فقد مات ميتة الجاهلية[45]۔جو شخص جماعت سے الگ ہوا اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی تو گویا کہ وہ جاہلیت کی موت مرا۔

صحابہ کے دور کے مسلمان قانون دانوں کی جانب سے دار الاسلام کے تصور نے ایک ایسا نظریاتی اور قانونی فریم ورک مہیا کیا جس نے دو سے زائد سیاسی انتظامیوں کو آپس میں متفق و متحد رکھنے میں مدد کی اور متعدد حکمرانوں کی سرپرستی میں ہونے کے باوجود بھی، مسلمانوں کے زیرِ اثر پورا خطہ چاہے مشرق ہو یا مغرب وہ دارالاسلام کہلاتا تھا اور پھر آہستہ آہستہ یک ساں اور عمومی قوانین تیار کیے گئے تاکہ باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کو پہچاننے کے ساتھ ساتھ امت اور سیاسی اقتدار کے درمیان تعلقات کو منظم کیا جاسکے۔

اصل مشکل کا سامنا سترہویں صدی کے اختتام میں اس وقت پیش آیا جب مغربی دنیا میں قومی ریاست کے رجحان نے عروج پایا اور یورپ میں پاپائی نظام زوال پذیر ہوا اور اس زوال کے بعد وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام اور مغرب کی کشمکش تیزی سے بڑھتے ہوئے شدت اختیار کر گئی، اور افسوس اس بات پر ہے کہ مسلمان مفکرین نہایت تیزی کے ساتھ مغربی افکار کے اثر و رسوخ میں آ گئے۔[46]

اور اس موقعے کے بعد سے مسلمانوں نے قومیت اور علاقائیت کو ریاست کی ساخت کا اہم جزء قرار دیا اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ قومی ریاست کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا امت کے نظریے پر اور دارالاسلام کے اتحاد پر ایک برا اثر پڑا ہے، لیکن اس سب کے باوجود بھی یہ بات حتمی ہے کہ علاقائی قومیت مغرب سمیت مشرق میں بھی سیاسی مباحث کی شکل اختیار کر گئی اور اس نظریہ نے مستقل طور پر زیادہ سے زیادہ اثر و رسوخ حاصل کیا، یہاں تک کہ وہ وقت بھی آ گیا جب امت (ummah) کا وہ بنیادی تصور جو گزشتہ مسلمان علماء نے پیش کیا تھا اور بعد والوں نے اس کو برقرار رکھا تھا وہ مسخ ہو گیا۔

حاصلِ بحث:

رنگ، نسل، تہذیبی روایات اور وطن کی بنیاد پر ایک قوم ہونے کا احساس انسان کی فطرت میں ودیعت ہے۔ انسان اپنی شخصیت، خاندان اور اعزہ و اقربا کے حوالے سے اپنی انفرادیت کا اظہار کیا کرتا ہے۔ وہ جس طرح دوسروں سے آگے رہنے اور آگے بڑھنے کا جذبہ اپنے اندر محسوس کرتا ہے، اسی طرح قوم کے حوالے سے بھی یہ بالاتری چاہتا ہے۔ شناختوں کے ساتھ اس کی یہ وابستگی قرآن کے الفاظ میں تعارف

کہلاتی ہے۔ چوں کہ اسلام دینِ فطرت ہے، اس لیے جو چیز قابلِ اعتراض ہے وہ قومیتوں کے حوالے سے شناخت نہیں، بلکہ اس کی بنیاد پر تکبر اور دوسری قوموں سے نفرت ہے؛ لہٰذا اسلام قومیت کی نفی نہیں کرتا، اسے اس کی تمام بنیادوں کو تسلیم کرنے سے عار نہیں جو علمِ سیاست میں بالعموم بیان کی جاتی ہیں۔ مسلمان بھی اگر چاہیں تو اپنی علاقائی مناسبتوں کے مطابق اپنی قومی ریاستیں قائم کرسکتے ہیں، مگر ان کا باہمی رشتہ اخوت کا ہے۔ جسے بہر صورت فراموش نہیں ہونا چاہیے، پچاس سے زائد ممالک میں تقسیم ہونے کے باوجود ان پر لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مدد و نصرت کریں، معاشی اور معاشرتی روابط کے لیے انہیں ترجیح دیں اور خاص طور پر اپنے دروازے ایک دوسرے کے شہریوں پر بند نہ کریں۔ مگر اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنی ملکی شناختوں سے دست بردار ہو جائیں۔ الغرض مقصود و مطلوب مومنِ حرم کی پاسبانی ہے نہ کہ نیل کے ساحل اور کاشغر سے لاتعلقی۔

حوالہ جات

[1] اقبال علامہ، کلیاتِ اقبال (فارسی)، پیامِ مشرق، الملک للہ، طبع: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ص280

[2] فطرۃ اللہ التي فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق اللہ ذلك القیم ولکن اکثر الناس لایعلمون [الروم:30]

[3] "اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ساخت اور تراش شروع سے ایسی رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سمجھنا اور قبول کرنا چاہے تو کرسکے، اور بدءِ فطرت سے اپنی اجمالی معرفت کی ایک چمک اس کے دل میں بطورِ تخمِ ہدایت کے ڈال دی ہے کہ اگر گردوپیش کے احوال اور ماحول کے خراب اثرات سے متاثر نہ ہو اور اصلی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو یقیناً دینِ حق کو اختیار کرے، کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو، عہدِ الست کے قصے میں اسی کی طرف اشارہ ہے، اور احادیثِ صحیحہ میں تصریح ہے کہ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے---بہر حال دینِ حق، دینِ حنیف اور دینِ قیم وہ ہے کہ اگر انسان کو اس کی فطرت پر مخلّی بالطبع چھوڑ دیا جائے تو اپنی طبیعت سے اسی طرف جھکے، تمام انسانوں کی فطرت اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی بنائی ہے جس میں کوئی تفاوت اور تبدیلی نہیں---فطرتِ انسانی کی اسی یک سانیت کا یہ اثر ہے کہ دین کے بہت سے اصولِ مہمہ کو کسی نہ کسی رنگ میں تقریباًسب انسان تسلیم کرتے ہیں، گو ان پر ٹھیک ٹھیک قائم نہیں رہتے---یعنی اصل پیدائش کے اعتبار سے کوئی فرق اور تغیر و تبدل نہیں، ہر فردِ انسان کی فطرت قبولِ حق کے لیے مستعد بنائی ہے، یا یہ مطلب کہ اللہ نے جس فطرت پر پیدا کیا اس کو تم اپنے اختیار سے بدل کر خراب نہ کرو، بیج تم میں ڈال دیا ہے، اسے بے توجہی یا بے تمیزی سے ضائع مت ہونے دو"۔ (عثمانی، علامہ شبیر احمد، تفسیرِ عثمانی، سورہ روم، آیت نمبر30، جلد3، ص67، ط: دار الاشاعت کراچی، 1428ھ– 2007م)

[4] والسّٰبقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنه واعدلھم جنّٰت تجری تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھآ ابداً ذٰلك الفوز العظیم [التوبة: 100]

[5] ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ماتمسکتم بھما: کتاب اللہ وسنة نبیه(الأصبحي المدني، مالك بن أنس بن مالك بن عامر، موطا مالك، باب النهي عن القول بالقدر، ط: مؤسسة زيدان بن سلطان آل نهيان، الطبعة الأولى، 1425ه، 2004م، ج5، ص1323، رقم 3338

[6] آل عمران 3:23

[7] القشيري، مسلم بن الحجاج، الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب الناس تبع لقريش والخلافة في قريش، دار احياء التراث العربي، بيروت، ج3، ص1451، رقم الحديث1818

[8] مطھری، شھید، مرتضی، اسلامی تاریخ میں اصلاحی تحریکیں، ط: شبکۃ الإمامین الحسنین، ص7(یہ کتاب pdf فارم میں برقی شکل میں نشر ہوئی ہے اور شبکۃ الإمامیں الحسنین رضی اللہ عنھم کے گروہ علمی کی نگرانی میں تنظیم ہوئی ہے۔)

[9] حجرات، آیت13

[10] الشريعتي، علي، الدكتور، التشيع العلوي و التشيع الصفوي، المترجم: حيدر مجيد، طبع: دار الأمير، بيروت، الطبعة الثانية، 2007، ص119

[11] فيروزآبادي، أبو طاهر، محمد بن يعقوب، القاموس المحيط، فصل الشين من باب الباء، مؤسسة الرسالة للطباعة، بيروت، ج1، ص102

[12] الزمخشري، أبو القاسم، محمود بن عمرو بن أحمد، أساس البلاغة، كتاب الشين، ش ع ب، دار الكتب العلمية، بيروت، ج1، ص509

[13] الشيباني، أبو الحسن عز الدين ابن الأثير، علي بن محمد بن عبد الكريم، الكامل في التاريخ، دار الكتاب العربي، بيروت، ج4، ص351

[14] مجموعة المؤلفين: إبراهيم مصطفى/أحمد الزيات/حامد عبد القادر/النجار، المعجم الوسيط، باب العين، دار الدعوة، بيروت، ج2، ص591

[15] اکبر آبادی، انتظام اللہ شہابی، تاریخ ملت، مکتبہ خلیل، ج2، ص481

[16]Arab Unity." The Continuum Political Encyclopedia of the Middle East. Ed. Avraham Sela. New York: Continuum, 2002. pp. 160–166

[17]Pan-Arabism and Arab nationalism: the continuing debate by Tawfic Farah, Publisher Westview Press, 1987, p. 37

[18]Nasser, the Last Arab, New York City: St. Martin's Press,

[19]"Arab Unity." The Continuum Political Encyclopedia of the Middle East. Ed. Avraham Sela New York: Continuum, 2002. pp. 160–166.

[20] الإشبيلي، ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، (المتوفى:808ه)، مقدمة ابن خلدون، طبع: دار الفكر، بيروت، ص160

[21]Newman.Gerald G, (1987) The Rise of Englisg Nationalism. 1740.Martin’s press

[22]T.C.W Blanning .The Culture of Power and The Power of Culture. Oxford Uni: Press, p259

[23]Carlton J.H Hayes. Nationlism.A Religion.P 11.The journal of Politics, 1961, vol 23.NO 4.

[24]Nikki R. Keddie, Sayyid Jamal ad-Din “al-Afghani”: A Political Biography (Berkeley: University of California Press, 1972), pp. 225–226.

[25]Oxford Illustrated Dictionary, word: Nationalism

[26]Nationalism - Wikipedia

[27] الإشبيلي، ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد، (المتوفى: 808ه)، مقدمة ابن خلدون، طبع: دار الفكر، بيروت، ص165

[28] الحجرات، آیت13

[29] جالندھری، فتح محمد، ترجمہ قرآنِ مجید، سورۃ الحجرات، 13، طبع: تاج کمپنی لمیٹڈ

[30] السجستاني، أبو داود سليمان بن الأشعث، سنن أبي داود، باب في العصبية، دار الفكر، بيروت، ج2، ص753۔ رقم الحديث 5120

[31] ايضا

[32] ايضا

[33] القرضاوي، يوسف، فقه الدولة في الإسلام، طبعة: دار الشروق، القاهرة، ص13

[34]Ali.Naqwi, Al-Islam wal_Qawmiyya,Tehran:Munazzmah al-lim al_islami.p.54

[35] التِّرْمِذِي، أبو عيسى، محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، سنن الترمذي، أبواب المناقب، باب في فضل مكة، مطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر، ج5، ص722، رقم3925

[36] البخاري الجعفي، أبو عبد الله، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة، صحيح البخاري، كتاب الحج، باب من أسرع ناقته إذا بلغ المدينة، دار ابن كثير، بيروت الطبعة الثالثة: 1407 – 1987، ج2، ص638، رقم1708

الشيباني، أبو عبد الله، أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد، مسند أحمد بن حنبل، مسند أنس بن مالك رضي الله عنه، مؤسسة قرطبة –

القاهرةـ ج3، ص159، رقم: 12644

التِّرمِذِي، أبو عيسى، محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب منه، ج5، ص499، رقم 3441

[37] ابن حجر، العسقلاني، فتح الباري، دار المعرفة، بيروت، ج3، ص621

[38] ابن بطال، شرح صحيح البخاري، مكتبة الراشد، السعودية رياض، 2003م، ج4، ص453

[39] التِّرمِذِي، أبو عيسى، محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى سنن الترمذى، أبواب المناقب، باب في فضل مكة، ج5، ص723، رقم 3926

البُستي، أبو حاتم، محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، صحيح ابن حبان، كتاب الحج، باب فضل مكة، مؤسسة الرسالة بيروت الطبعة الثانية: 1414–1993، ج9، ص23، رقم 3709

الطبراني، أبو القاسم، سليمان كتاب بن أحمد بن أيوب بن مطير اللَّخمِي، المعجم الكبير للطبرانى، باب العين، أبو الطفيل عن ابن عباس، مكتبة ابن تيمية، القاهرة، ج10، ص270، رقم 10633

[40] البخاري الجعفي، أبو عبد الله، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة، صحيح البخاري، كتاب التفسير، سورة العلق، ج4، ص1894، رقم: 4670، وفي كتاب التعبير، باب أول ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة، ج6، ص2561، رقم: 6581، ط: دار ابن كثير، بيروت الطبعة الثالثة: 1407–1987

[41] السهيلي، أبو القاسم، عبد الرحمن بن عبد الله بن أحمد، الروض الأنف، إسلام خديجة بنت خويلد، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى: 1412هـ، ج1، ص421

العراقي، أبو الفضل زين الدين، عبد الرحيم بن الحسين بن عبد الرحمن بن أبي بكر بن إبراهيم، طرح التثريب فى شرح التقريب للعراقي، فَائِدَة كَمَالُ خَدِيجَةَ رِضَى الله عَنْهَا وَجَزَالَةِ رَأْيِهَا، دار إحياء التراث العربي، ج4، ص196

[42] البخاري الجعفي، أبو عبد الله، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة، صحيح البخاري، كتاب الطب، باب رقية النبي ﷺ، (2168/5)، رقم: 5413، ط/ دار ابن كثير، بيروت الطبعة الثالثة: 1407–1987. القشيرى، مسلم بن الحجاج (المتوفى: 261هجري)، الصحيح لمسلم، باب استحباب الرقية من العين والنملة والحمة والنظرة، دار إحياء التراث العربي، بيروت، ج4، ص1724، رقم 2194

[43] القشيرى، مسلم بن الحجاج، الصحيح لمسلم، كتاب البرّ والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، دار إحياء التراث العربي، بيروت، ج4، ص1999، رقم 2586

[44] القشيرى، مسلم بن الحجاج، الصحيح لمسلم، كتاب البرّ والصلة والآداب، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، دار إحياء التراث العربي–بيروت، ج4، ص1999، رقم 2585

[45] القشيرى، مسلم بن الحجاج، الصحيح لمسلم، كتاب الإمارة، باب الأمر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن وتحذير الدعاة إلى الكفر، ج3، ص1476، رقم 1848

[46] Ghazi, Dr. Mahmood Ahmed, The Islamic State in the Contemporary International Scenario, an Article by Dr. Mahmood Ahmad Ghazi*)*, Page:3, Published Policy Perspectives, Volume 4, No.2 -https://mahmoodghazi.org/category/publications/articles/

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.